Fikr-e-Iqbal
Vol 1 No 1, 2024

فکرِاقبال

Article

Body Metaphors in Iqbal's Urdu Poetry

کلامِ اقبال (اردو میں) بدنی استعارات

Zar Nigar[1], Prof. Dr. Muhammad Asif Awan[2]
MPhil Urdu Scholar[1], Professor[2], Department of Urdu, Riphah International University, Faisalabad Campus
Correspondence: zarnigar88990@gmail.com

زر نگار[۱]، پروفیسر ڈاکٹر محمد آصف اعوان[۲]
ایم فل اسکالر[۱]، پروفیسر[۲]، شعبہ اردو، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی فیصل آباد کیمپس، فیصل آباد

Received:16-10-2024
Accepted:24-10-2024
Online:30-12-2024

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license.

Copyright: © 2024 by the authors.

ABSTRACT
Metaphor serves as a vital component of literary art, enabling a deeper understanding of an object's characteristics by comparing it to another object or concept. Unlike direct comparisons, metaphors establish a semantic relationship, allowing attributes to be conveyed implicitly. In literature, metaphor provides a distinctive descriptive style, creating a hidden linkage between two different entities. This technique, akin to simile, leverages likeness to elucidate characteristics more clearly and prominently, though it does so in an indirect manner. This article delves into Iqbal's use of physical metaphors, examining the semantic context of metaphors such as eyes, forehead, liver, and heart within his works. The study aims to explore and analyze these metaphors in Iqbal's discourse, providing insight into their significance and underlying reasons.

KEYWORDS: Sematic, Context, Eyes, Forehead, Liver, Heart, Symbol

استعارہ علم بیان کی صنف ہے۔ جس میں کسی چیز کو کسی اور چیز کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے بغیر "جیسے" یا "کی طرح" کے الفاظ کے۔ یہ صنف کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے مشابہ قرار دینے کے لیے استعمال کی جاتی ہے، تاکہ اس کی خصوصیات کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔ اس میں دو مختلف چیزوں کے درمیان ایک تقابلی تعلق قائم کیا جاتا ہے، مگر یہ تعلق براہ راست نہیں بلکہ معنیاتی ہوتا ہے۔ یہ ادب میں ایک مخصوص طرز بیان ہے جس میں کسی چیز یا تصور کو کسی دوسری چیز یا تصور کے مشابہ قرار دے کر بیان کیا جاتا

ہے۔اس میں تشبیہ کی طرح مشبہ اور مشبہ بہ کا تعلق ہوتا ہے لیکن استعارہ میں یہ تعلق براہ راست نہیں ہوتا بلکہ ایک طرح سے پوشیدہ ہوتا ہے۔استعارہ کے ذریعے ہم کسی چیز کی صفات کو دوسری چیز کے ساتھ جوڑ کر بیان کرتے ہیں تاکہ اس کی خصوصیات کو زیادہ واضح اور نمایاں کیا جاسکے۔اس آرٹیکل میں اقبال کے بدنی استعارات کو بحث کا موضوع بنایا گیا ہے۔

اقبال کے کلام میں ان استعارات (آنکھ، بازو، پیشانی، جگر، دل) کے معنوی تناظر کو محققانہ انداز میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔استعارہ ادب کے فن کا شاندار ذریعہ ہے۔جو زندگی کی سوچ، فکر، جذبات اور تجربات کو اعلیٰ ادبی روپ دینے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔استعارہ ایک ایسی ادبی اصطلاح ہے جو کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے مشابہ قرار دینے کے لیے استعمال کی جاتی ہے تاکہ اس کی خصوصیات کو بہتر طریقے سے سمجھا یا جاسکے۔

مولوی نورالحسن نئیر اپنی لغت "نوراللغات" (جلد اول) میں استعارہ کے بارے میں کچھ یوں رقم طراز ہیں:

"علم بیان کی اصطلاح میں حقیقی اور مجازی معنوں کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہونا یعنی حقیقی معنوں کا لباس عاریتاً مانگ کر مجازی معنوں کو پہنانا" (1)

بدنی استعارات کے استعمال کی روایت اقبال سے پہلے بہت سے شعراء نے بھی اپنائی ہے تاکہ اپنی شاعری کی زینت و آرائش کر سکیں۔ بدنی استعارات عام زندگی کے جسمانی احساسات اور جذبات کو بیان کرتے ہیں جیسے ہمت، جذبہ، طاقت ، عشق، غم، خوشی، رنج، انتظار اور تشویش وغیرہ،اس کی روایت نے شاعری کو ایک نیا دائرہ کار فراہم کیا ہے جس میں اشعار کے جسمانی حالات و احساسات کو سمجھنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک و ہمدردی کرنے کی ضرورت کو بڑھا دیتے ہیں اس کے ذریعہ سے استعارات کا معنوی تناظر قاری کے دل کو چھو لیتا ہے۔

اس روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اقبال نے بھی اپنی شاعری میں بدنی استعارات کا استعمال نہایت احسن انداز میں پیش کیا ہے۔ان کے خیال میں جسمانی احساسات و تجربات اور ان کا استعاراتی استعمال انسان کی روحانیت اور فکری ترقی کے لیے اہم ہے۔اقبال کے نزدیک بدنی استعارات انسانی جذبات کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔کیونکہ وہ جسمانی احساسات کو روحانیت اور فکری حالات سے جوڑتے ہیں۔اقبال کا یہ ماننا تھا کہ بدنی استعارات نہ صرف ہماری فکری اور روحانی ترقی کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں بلکہ ہمارے اندر چھپی ہوئی طاقتوں اور احساسات کو بھی نمایاں کرتے ہیں جو ہمیں بہتر سمت میں کام کرنے اور سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی اپنے مضمون ''اقبال کے استعاروں کا حرکی نظام'' میں استعاراتِ اقبال کی اس نوعیت سے متعارف کراتے ہوئے کچھ یوں رقم طراز ہیں:

''اقبال کے تقریباً تمام ہی استعارے اپنی تازہ کاری اور لطافت کے سبب ہمیں سرشار کرتے ہیں لیکن جو استعارے خصوصیت کے ساتھ ہماری توجہ اپنی طرف منعطف کرتے ہیں ان کا تعلق جگر سوزی، آغوشِ موج، سوز ناتمام، جنون وویرانہ، آہوے حرم، وسعت صحرا، چراغ حرم، سرشت سمندری، انگارۂ خاکی، اور سیل تندرو، وغیرہ سے ہے۔ بعض مفرد ہیں بعض مرکب۔''(2)

اقبال کا کلام ادب کا وہ خزانہ ہے جو فطرت، اور روحانیت کو گہرائی سے بیان کرتا ہے مثلاً دل کے استعارے کو محبت، عشق اور روح کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ آنکھ کو روحانی بصیرت کے ساتھ جوڑا ہے۔ ہاتھ کے استعارے کے ذریعے قوت، طاقت اور عمل کو ظاہر کیا ہے۔ پاؤں کے استعارے میں ثابت قدمی کا ذکر کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک ایک فرد کا جسم صرف مادی وجود نہیں بلکہ یہ ایک سماجی تبدیلی کا مظہر ہے۔

اقبال کی شاعری میں بدنی استعارات کو مختلف پہلوؤں اور مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ استعارات نہ صرف شاعری کے حسن کو بڑھاتے ہیں بلکہ اقبال کی فلسفیانہ اور روحانی نظریات کو بھی گہرائی سے سمجھنے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ بدنی استعارات کے ذریعے اقبال نے روح اور بدن، خودی، مردِ مومن، اور معاشرت کی مختلف جہتوں کو ابھارا ہے۔ اور ان جہتوں کا ہم مندرجہ ذیل علامہ محمد اقبال کی تمام شاعری میں سے بدنی استعارت کے تمام اشعار کا ایک مکمل اور اجمالی جائزہ لیں گے۔

اقبال کے کلام میں ''آنکھ'' ایک اہم استعاراتی علامت ہے، جس کے مختلف معنی و مفہوم ہیں۔ ان کے اشعار میں آنکھ کا استعارہ روحانی بیداری، شعور، عقل اور حقائق کی نشان دہی کو ظاہر کرتا ہے۔ آنکھ کی علامت اکثر خدا کی طرف رہنمائی، حق کی تلاش، حقیقت سے آشنا اور انسانی شعور کی گہرائیوں کو سمجھنے کے لیے بھی استعمال کی گئی ہے۔ آنکھ کے ذریعے ہی عشق حقیقی اور عشق مجازی کی بصیریت حاصل کی جاسکتی ہے۔

کام مجھ کو دیدۂ حکمت کے الجھیڑوں سے کیا
دیدۂ بلبل سے کرتا ہوں نظارہ ترا(3)

اقبال کے کلام میں ''بازو'' کا استعارہ ایک طاقت، ہمت، پُرعزم رہنے کا معنوی تناظر رکھتا ہے۔ یہ استعارہ مختلف جہات میں انسانی قوت، عزت نفس، خود اعتمادی، جدوجہد، اور آزادی کی علامت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ بازو کی علامت اقبال کے فلسفہ خودی کے مرکزی تصورات میں سے ایک ہے، جس کے ذریعے وہ فرد کی داخلی اور خارجی دنیا کی اہمیت کو بیان کرتے ہیں۔ اقبال کے ہاں ''بازو'' فرد کی اندرونی اور جسمانی طاقت کی علامت ہے۔ ان کا فلسفہ خودی اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان اپنی خودی کو پہچانے اور اسے مضبوط کرے۔ بازو یہاں اس توانائی اور عزم کی علامت ہے جو انسان کی خودی کو مضبوط بناتی ہے۔ اقبال یہ

پیغام دیتے ہیں کہ جب انسان اپنی طاقت کو پہچانتا ہے اور اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کرتا ہے، تو وہ دنیا میں کوئی بھی مقصد حاصل کر سکتا ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں(4)

کلامِ اقبال میں "پیشانی" کا استعارہ عموماً فکر، خودی، اور روحانی حالت کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اقبال کی شاعری میں پیشانی کو انسان کی شناخت اور اس کے علم و شعور کی نشانی کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ یہ انسانی عقل کی بلندی اور اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کا عکس دیکھائی دیتی ہے۔ اقبال کی مشہور نظموں میں پیشانی کے استعارے کا استعمال واضح طور پر دکھائی دیتا ہے، جہاں وہ انسان کی عظمت، فکر، اور روحانی بلندی کی بات کو بیان کرتے ہیں۔ یہ استعارہ انسانی زندگی کے معنوں اور اس کی روحانی حالت کی گہرائیوں میں جھانکنے اور پرکھنے کا موقع فراہم کرتا ہے، جو کہ اقبال کی شاعری کا بنیادی اور اہم پیغام ہے۔ پیشانی کا استعارہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کی شناخت، محنت، اور روحانی بلندی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں، اور یہ سب مل کر اقبال کے فلسفہ حیات کی تشکیل کرتے ہیں۔

اے ہمالہ ! اے فصیل کشور ہندوستاں
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں(5)

کلامِ اقبال میں "جگر" کا استعارہ ایک گہری روحانی اور فلسفیانہ معنویت اور اہمیت رکھتا ہے۔ جگر کو اکثر انسانی جذبوں، عزم، اور قوت کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اقبال کی شاعری میں یہ استعارہ مختلف طریقوں سے استعمال ہوا ہے، اور اس کے کئی پہلو ہیں۔ یہ استعارہ زندگی کے مختلف پہلوؤں اور چیلنجز کا سامنے کرنے کی ہمت و طاقت کو بیان کرتا ہے۔ اجمالی طور پر، اقبال کے کلام میں جگر کا استعارہ انسانی جذبات، عزم، قوت، صبر، اور قومی شناخت کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ ایک گہرا اور مؤثر استعارہ ہے جو اقبال کی شاعری میں انسانی روح کی بلندی اور اس کے عزم کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ اپنی طاقت کو پہچاننا اور اسے صحیح رخ میں استعمال کرنا ہی انسانیت کی حقیقی کامیابی کا راز ہے۔

یہ پریشانی مری ساماں جمعیت نہ ہو
یہ جگر سوزی چراغِ خانۂ حکمت نہ ہو(6)

اقبال کے کلام میں دل کی علامت کو قومی خودی اور اتحاد کے ساتھ بھی جوڑا گیا ہے۔ وہ اپنی قوم کے دل کی حالت کو اجاگر کرتے ہیں اور انہیں یہ یاد دلاتے ہیں کہ قوم کا دل اگر مضبوط ہو تو وہ اپنی شناخت اور مقام کے لیے لڑ سکتی ہے۔ دل کی یہ طاقت قوم

کو جوڑنے اور اس کی شان و شوکت کی حفاظت کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔انسان کے دل کی حالت اس کی حقیقی زندگی کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ایک مخلص دل ہی حقیقی علم اور حکمت کی راہ دیکھا سکتا ہے۔

چھیڑتی جا اس عراق دل نشین کے ساز کو
اے مسافر دل سمجھتا ہے تری آواز کو(7)

اقبال کے کلام میں "رُخ" کا استعارہ ایک اہم علامت ہے جو مختلف معنوی سطحوں پر گہری فکر کو نمایاں کرتا ہے۔اقبال نے "رُخ" کو ایک خاص فلسفیانہ اور روحانی مفہوم کے ساتھ پیش کیا ہے۔یہ استعارہ عمومی طور پر حسن، کمال، اور حقیقت کی تلاش کا نمائندہ ہے، جس کا تعلق نہ صرف دنیاوی حسن سے ہے بلکہ یہ ایک الٰہی حقیقت کی جھلک بھی پیش کرتا ہے۔اس استعارے کی مدد سے انسان دنیاوی زنجیروں سے خود کو آزاد کر کے حقیقت اور خودی کو پہچاننے لگتا ہے۔

باغ ہے فردوس یا اک منزلِ آرام ہے
یا رخِ بے پردہ حسنِ ازل کا نام ہے(8)

اقبال کے ہاں زبان کا استعارہ بنیادی طور پر فکری اور روحانی اظہار کا ذریعہ ہے، جہاں زبان دل و دماغ کی وسعتوں کو عیاں کرتی ہے۔زبان کا استعمال اقبال کے فلسفے میں اس کی فکری بیداری اور مقصدیت کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔زبان کی حیثیت محض گفتگو یا تحریر تک محدود نہیں بلکہ اسے فکری آزادی اور خودی کی ترجمان کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔زبان کا اچھا اور میٹھا استعمال انسان کو بلندیوں تک پہنچا سکتا ہے۔

یوں زبان برگ سے گویا ہے اس کی خاموشی
دست گلچیں کی جھٹک میں نہیں دیکھی کبھی(9)

کلام اقبال میں "زلف" کا استعارہ ایک اہم علامتی حیثیت رکھتا ہے جو روایتی اور صوفیانہ ادب کی جمالیاتی روایت سے جڑا ہوا ہے، لیکن اقبال نے اسے اپنی فکری اور فلسفیانہ شاعری میں نئے معانی کے ساتھ پیش کیا ہے۔روایتی طور پر "زلف" حسن اور عشق کا استعارہ رہی ہے، جہاں محبوب کی زلفیں عاشق کے لیے ایک پرکشش اور اسرار سے بھری ہوئی علامت کے طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔مگر اقبال کے ہاں یہ استعارہ محض عشقِ مجازی یا روایتی حسن کی علامت نہیں بلکہ ایک گہری معنویت رکھتا ہے۔

لیلی شب کھولتی ہے جب زلف رسا
دامن دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا(10)

کلام اقبال میں "سر" کا استعارہ گہرے معنوی اور علامتی رنگ میں استعمال ہوتا ہے۔اقبال کے ہاں "سر" غلامی اور

اطاعت کی علامت بھی ہے اور عزت و وقار کی علامت بھی۔ان کی شاعری میں "سر" کو جھکانا ذلت اور غلامی کی نشانی ہے، جبکہ سر اونچا رکھنا خودی، خود اعتمادی اور انقلابی روح کی عکاسی کرتا ہے۔اقبال آزادی کے پرستار ہیں اور ان کے نزدیک ایک انسان کا سر صرف اللہ کے آگے جھکنا چاہیے، کسی اور کے آگے نہیں۔سچا انسان وہی ہے جو اپنی خودی کے لئے کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا۔یہ استعارہ فکری سوچ کو بیدار کرتا ہے۔اقبال کے کلام میں "سر "کا استعارہ آزادی کی جستجو، خودی کی بلندی،اور غلامی کی نفی کے طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔

کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی
اڑنے چگنے میں دن گزارا(11)

اقبال کے کلام میں "سینہ "کا استعارہ گہرے معنوی اور فکری مضامین کو عکاس کرتا ہے۔یہ لفظ ان کے کلام میں مختلف تناظرات میں استعمال ہوتا ہے، جس کے ذریعے وہ انسانی دل، جذبے، حوصلے اور روحانی کیفیات کو بیان کرتے ہیں۔انسان کو اپنی خودی کو پہچاننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی روحانی کیفیت کو سمجھے۔سینے میں وہ آگ اور تڑپ ہونی چاہیے جو انسان کی عظمت کو پرکھ سکے۔یوں اقبال کے کلام میں "سینہ "کا استعارہ ایک جامع علامت ہے جو انسان کے اندرونی جذبات، روحانی کیفیت، جرات، حوصلہ، فکر، اور قومی عظمت کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتا ہے۔یہ استعارہ ان کے فلسفہ حیات کا نہایت اہم جزو ہے، جس کے ذریعے وہ انسان کو اس کی اصل روحانی اور فکری حالت سے روشناس کراتے ہیں۔سینے میں چھپا ہوا دل انسان کی روحانی حالت کی عکاسی کرتا ہے۔

پنہاں درون سینہ کہیں راز ہو ترا
اشک جگر گزرا نہ غماز ہو ترا(12)

کلام اقبال میں "لب "کا استعارہ ایک نہایت اہم اور معنویت سے بھرپور علامت ہے جو مختلف فکری اور جذباتی پہلوؤں کو واضح کرتا ہے۔اقبال کے کلام میں "لب " کبھی اظہار، گفتگو اور علم کی علامت بنتا ہے،اور کبھی خاموشی، ضبط اور بے بسی کی ترجمانی کرتا ہے۔جو فکری اور باطنی سطح کی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔اقبال نے اپنی شاعری میں لب کو اکثر راز کے استعارے کے طور پر بھی پیش کیا ہے۔یہ راز عاشقانہ، فکری یا روحانی ہو سکتا ہے، جو انسان کے دل میں چھپا ہوتا ہے اور لب اس راز کو افشا نہیں کرتے۔وہ چاہتے ہیں کہ انسان کے لب اس راز کو محفوظ رکھیں اور اسے عام نہ کریں، کیونکہ ہر راز کا افشا ہونا ضروری نہیں۔

آنکھ وقف دید تھی لب مائل گفتار تھا
دل نہ تھا میرا سراپا ذوق استفسار تھا(13)

اقبال کی شاعری میں "ہاتھ" کا استعارہ کئی معنوی اور فکری پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے۔ اقبال کے ہاں "ہاتھ" محض جسمانی اعضا کا حصہ نہیں بلکہ ایک گہرا علامتی مفہوم رکھتا ہے جو عمل، قوت، اور تخلیق کی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ مزید برآں، اقبال کے کلام میں ہاتھ کا استعارہ تخلیق اور فن کی علامت بھی ہے۔ یہاں ہاتھ انسانی قابلیت اور مہارت کا ایک مظہر ہے، جس کے ذریعے انسان اپنی سوچوں، خیالات اور احساسات کو مادی شکل میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اقبال کا یہ استعارہ ہمیں اس بات کی یاد دلاتا ہے کہ انسان کی تخلیقی صلاحیتیں اس کے ہاتھوں کی قوت سے جڑی ہوئی ہیں، اور یہی صلاحیتیں اس کی حقیقی خودی کا اظہار کرتی ہیں۔

آہ یہ دستِ جفا جو اے گلِ رنگین نہیں
کس طرح تجھ کو یہ سمجھاؤں کہ میں گلچیں نہیں(14)

اقبال کی شاعری میں بدنی استعارات نہ صرف ظاہری جسم یا اعضاء کی عکاسی کرتے بلکہ یہ روحانیت، خودی، اور داخلی جدوجہد کی نمائندگی کرتے ہیں اقبال نے بدنی استعارات کا استعمال کرتے ہوئے انسان کی اندرونی کیفیات، فکری انقلاب، اور سوچ کو بیان کیا ہے۔۔ مثلاً جسمانی اعضاء جیسے ہاتھ، دل، آنکھیں وغیرہ روحانیت، فکر، اور ارادے کی علامت کے طور پر واضح ہوتے ہیں ۔ مثلاً ہاتھ کا استعارہ عزم، ارادے، اور طاقت و قوت کو ظاہر کرتا ہے، اور آنکھیں علم بصیرت کو ظاہر کرتی ہیں۔ کلام اقبال میں جسم کی عارضیت اور اس کے زوال کو روح کی ہدایت کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ وہ جسمانی دنیاؤں کی عارضیت اور اس کی فانی نوعیت کو تسلیم کرتے ہوئے انسان کو اپنے اندر کی حقیقت اور بقاء کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

اقبال کا کلام یہ بھی بتاتا ہے کہ جسمانی تجربات، احساسات اور حالات انسان کی روحانی تکمیل کے اہم راستے ہیں۔ بدنی استعارات کے ذریعے اقبال نے انسان کو اس کے اپنے خاص مقصد کی طرف ایک سفر پر گامزن کیا ہے۔ اور انسان اس سفر میں روحانی بلندیاں حاصل کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی شاعری میں بدنی استعارات کا استعمال ایک پیچیدہ اور گہرا معنوی نظام تشکیل پاتا ہے۔ جس میں جسم اور روح کے تعلقات کو واضح کیا جاتا ہے۔ ان استعارات کے ذریعے وہ انسان کو اپنی حقیقت کی طرف راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ مولوی نورالحسن نیئر (مرتب): "نوراللغات" (جلد دوم) نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1995ء، ص47
2۔ ڈاکٹر قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی، ''اقبال کے استعاروں کا حرکی نظام''، مشمولہ اقبال جامعہ کے مصنفین کی نظر میں (مرتبہ) گوپی

چند نارنگ، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، طبع اول 1979، ص 257،258

3۔ڈاکٹر محمد اقبال: ''کلیات اقبال'' اقبال اکادمی، پاکستان، 2000ء ص 54

4۔ایضاً، ص 301

5۔ایضاً، ص 51

6۔ایضاً، ص 54

7۔ایضاً، ص 54

8۔ایضاً، ص 71

9۔ایضاً، ص 52

10۔ایضاً، ص 53

11۔ایضاً، ص 66

12۔ایضاً، ص 82

13۔ایضاً، ص 55

14۔ایضاً، ص 54